اقبال اور استعمار

سمیع اللہ قریشی

اقبال نے بر صغیر کی غلامی کے ایام میں جب انگریز کی تہذیبی استعماری یلغار عروج پر تھی ، آنکھ کھولی ، اس وقت پورا بر صغیر استعمار کا براہ راست ہدف تھا ۔ مشرق پر اس کی حریص نظریں گڑی ہوئی تھیں اور یہ سب نتیجہ تھا مسلمان اقوام کے داخلی انتشار ، بے حسی اور سہل پسندی کا ۔ مسلمان اقوام خود اپنے ملی شعور کو مجروح کرنے پر تلی بیٹھی تھیں تعصب اور لسانی اور نسلی منافرت ان میں عام ہو چکی تھی ۔ وطنیت کا تصور اور تعصب فراواں تھا اور مذہب میں فقط ظاہر داری کے رویے کو فروغ حاصل تھا ۔ گویا پوری ملت اسلامیہ عالم پیری سے گزر رہی تھی ۔[1] اقبال نے یہ سب کچھ اپنی رگِ جاں میں محسوس کیا ۔ تہذیب مغرب کے اثرات اقبال کے سامنے تھے ۔ چنانچہ انہوں نے ان کا گہرا مطالعہ کیا پھر ایک لائحہ عمل کے تحت جہاں تہذیبِ فرنگ پر بھر پور علمی انتقاد کیا وہاں مغرب زدہ مسلمان اقوام کو اس استعمار سے نپٹنے کی تعلیم بھی دی ۔ مشرق میں الحاد اور لادینیت کے اثرات نے مشرق کا وقار دگرگوں کرکے رکھ دیا تھا ۔ اقبال نے پہلے مرض کی تشخیص کی اور اس نتیجے پر پہنچے کہ قرونِ وسطیٰ کا تصوف ، قومیت اور ملحدانہ سوشلزم یاس زدہ انسانیت

۱۔ نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری
کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری
تیرے دین و ادب سے آ رہی ہے بوئے رہبانی
یہی ہے مرنے والی اُمتوں کا عالمِ پیری

(کلیات اقبال ، حصہ اردو ، ارمغان حجاز ، ص ۶۸۰/۳۸)

کے دکھوں کا مداوا کسی طور نہیں کر سکتے ۔۱ اپنے آس پاس کی الٹ پلٹ اور تہذیبی اور سیاسی تغیر پذیری کو دیکھ کر عقیدے کی معنویت اور وقعت ان پر اور کھل گئی ۔۲

اقبال ان مسلم مفکرین میں سے ہیں جنہیں اس صدی کے آغاز ہی میں مغربی تہذیبی اور سیاسی خلفشار اور استعماری رویے کا تنقیدی اور غائر جائزہ لینے کا نہ صرف موقع ملا بلکہ اس میں انہیں ایسے محرکات نظر آئے جو اگر ایک طرف اقوامِ مشرق کے لیے تباہ کن تھے تو دوسری جانب خود مغرب کی تباہی پر بھی شاہد تھے ۔۳ انہیں اس بات کا اندازہ اپنے پہلے سفر اور قیام یورپ کے دوران ہی ہو گیا تھا ۔ چنانچہ آخری سفرِ یورپ مابیچ کے زمانے اور وفات تک انہیں مغرب کے تاجرانہ رویے اور استعمارانہ ذہنیت کے ساتھ ہی ساتھ اقوام مغرب کے استحصال ، ہوسِ زر اور حبِ جاہ کے نتائج اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کا پورا پورا موقع ملا ۔۴ پہلی جنگ عظیم کا تہذیبی اور سیاسی صلہ ان کے پیشِ نظر تھا جس میں انہیں سراسر سامان

۱۔ تشکیلِ جدید الٰہیات اسلامیہ ، ص ۱۸۹ ۔

۲۔ ''فی الحقیقت جس چیز کو اہمیت حاصل ہے وہ آدمی کا عقیدہ ہے اس کی تہذیب اور اس کی تاریخی روایات ہیں ۔ میری نگاہوں میں یہ چیزیں اس قابل ہیں کہ جن کی خاطر آدمی کا جینا اور مرنا ہو نہ کہ زمین کا ٹکڑا جس کے ساتھ عارضی طور پر روح انسانی کا رابطہ ہو گیا ہو :
انگریزی تقاریر و خطبات (ترجمہ) ، ص ۵۶

۳۔ دیارِ مغرب کے رہنے والو ! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے !
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہوگا !
تمھاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ، ناپائیدار ہوگا
(کلیات اقبال ، حصہ اردو ، بانگ درا ، ص ۱۴۱/۱۴۱)

۴۔ عالمِ نو ہے ابھی پردۂ تقدیر میں
میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب
(کلیات اقبال ، حصہ اردو ، بال جبریل ، ص ۳۹۲/۱۰۰)

عبرت نظر آیا ۔[۱] اپنے عہد کے تہذیبی اور سیاسی انقلابات اور بعض مغربی تحریکوں کے دور رس نتائج کو اقبال اچھی طرح بھانپ گئے تھے ۔ اس ساری اُلٹ پلٹ میں انہیں کرۂ ارض کے مشرق و مغرب دونوں خطوں کے خرابے پیش از وقت نظر آ رہے تھے انہیں دکھائی دے رہا تھا کہ مغرب کی طرف سے اٹھنے والے تہذیبی اور سیاسی استعمار کی آندھی مشرق کی معرفت اور مغرب کے رویے کی صداقت اور محنت ہر چیز کو ملیا میٹ کرکے رکھ دے گی ۔

عہد اقبال ہی مغربی تہذیبی اور سیاسی استعمار کے حوالے سے اقبال کے ملفوظات اور اس کی فکر پوری طرح کھل کر سامنے آ سکی یا نہیں ۔[۲] اس میں اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن اس بات میں کوئی کلام نہیں کہ عصرِ اقبال ابھی جاری ہے اس لیے کہ افکارِ اقبال میں کئی بیتی ہوئی صدیوں اور آنے والے زمانوں کی روح دھڑکتی ہے ۔ چنانچہ اگر وہ کل مغرب کے تہذیبی اور سیاسی استعمار کے محاذ پر کھڑے مصروف جد و جہد نظر آتے تھے تو آج بھی اور آنے والی کل بھی وہ اس جد و جہد میں مصروف نظر آ رہے ہیں اور آتے رہیں گے ۔ اس بات میں ہرگز کوئی کلام نہیں کہ انسانیت کی معاشری ، معاشی ، تہذیبی اور سیاسی رہنمائی رفتہ رفتہ ایشیا کی طرف لوٹ رہی ہے اور ایشیا کا تشخص اب ملت بیضاء کے وجود کے ساتھ ہی مشروط ہے یعنی اسلام اور فقط اسلام کے ساتھ ۔ اقبال نے مغرب کی تہذیبی اور سیاسی استعمار کے خلاف اپنی فکری جد و جہد کا آغاز کرنے سے قبل مغرب کی تاریخ کا بھرپور مطالعہ کیا ہے اور پھر رہبانیت ، وطنیت ، کلیسائی نظام ، نسلیت اور قومیت کے ان تمام حربوں کے استعمال کی ایک مربوط ترجیح پیش کی ہے جنہیں مغرب نے اپنے ہاں آزمانے کے بعد ان کا

۱۔ گرچہ دارد شیوہ ہائے رنگا رنگ
من بہ جز عبرت نگیرم از فرنگ
(کلیات اقبال ، حصہ فارسی ، جاوید نامہ ، ص ۶۶۰/۷۲)

۲۔ ربط و ضبطِ ملتِ بیضا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر
(کلیات اقبال ، حصہ اردو ، بانگ درا ، ص ۲۶۵/۲۶۵)

ہدف مشرق کو اپنے مطالب کی بر آوری کے لیے بنایا ہے ۔[۱]

اقبال نے یورپی تہذیب و تمدن کی اٹھان اور اس کے اُبال کو عین جوانی کے عالم میں دیکھا اور اس بات سے کسی طور انکار ممکن نہیں کہ حسن کا ایک وسیع تر احساس اقبال کو اپنے قیامِ یورپ ہی کے دوران میں نصیب ہوا لیکن کس قدر عجیب بات ہے کہ اس احساس کی تہہ میں وہ مغربی رویہ بھی انہیں نظر آ جاتا ہے جس میں انسان کی غمگساری کے

۱- ''سرزمینِ مغرب میں مسیحیت کا وجود محض ایک ربانی نظام کی حیثیت رکھتا ہے ۔ رفتہ رفتہ اس سے کلیسائی ایک وسیع حکومت ہوگی ۔ لوتھر کا احتجاج دراصل اس کلیسا کی حکومت کے خلاف تھا ، اس کو کسی دلیوی نظامِ سیاست سے کوئی بحث نہیں تھی کیونکہ اس قسم کا کوئی نظامِ سیاست مسیحیت میں موجود نہیں تھا ۔ غور سے دیکھا جائے تو لوتھر کی بغاوت ہر طرح سے حق بجانب تھی ۔ اگرچہ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ خود لوتھر کو بھی اس امر کا احساس نہ تھا کہ جن مخصوص حالات کے تحت اس کی تحریک کا آغاز ہوا ہے اس کا نتیجہ بالآخر یہ ہوگا کہ مسیح کے عالمگیر نظامِ اخلاق کی بجائے مغرب میں ہر طرف بے شمار ایسے اخلاقی نظام پیدا ہو جائیں گے جو خاص خاص قوموں سے متعلق ہوں گے اور لہٰذا ان کا حلقۂ اثر بالکل محدود رہ جائے گا ۔ یہی وجہ ہے جس ذہنی تحریک کا آغاز لوتھر اور روسو کی ذلت سے ہوا اس نے مسیحی دنیا کی وحدت کو توڑ کر اسے ایک ایسی غیر مربوط اور منتشر کثرت میں تقسیم کر دیا جس سے اہل مغرب کی نگاہیں اس عالمگیر مطمع نظر سے ہٹ کر جو تمام نوعِ انسان سے متعلق تھا ، اقوام و ملل کی تنگ حدود میں الجھ گئیں ۔ اس لئے تخیلِ حیات کے لیے انہیں کہیں زیادہ واقعی اور مرئی اساس مثلاً تصورِ وطنیت کی ضرورت محسوس ہوئی جس کا اظہار بالآخر ان سیاسی نظامات کی شکل میں پیدا ہوا جنہوں نے جذبۂ قومیت کے ماتحت پرورش پائی ۔ یعنی جن کی بنیاد اس عقیدے پر ہے کہ سیاسی اتحاد و اتفاق کا وجود عقیدۂ وطنیت ہی کے ماتحت ممکن ہے ۔''

خطبۂ صدارت آل انڈیا مسلم لیگ ، ۱۹۳۰ء

لیے کوئی جگہ نہیں ۔[۱] واقعہ یہ ہے کہ اقبال کے ہاں مغربی استعمار کے خلاف کوئی جزوی ذہنی رویہ مرتب نہیں ہوتا اس باب میں اُن کے ہاں ایک مکمل ذہنی ارتقاء پایا جاتا ہے جسے کسی ایک مسلم خطے یا مسلم قوم کے ساتھ محدود نہیں کیا جا سکتا ۔ اقبال کا رویہ پورے مشرق میں ہونے والے مغربی تہذیبی اور سیاسی انقلاب کو محیط ہے یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے عہد کے دوسرے مسلم مفکرین سے بہت آگے ہیں ۔ ان کے پورے فکری دفاعی نظام میں کسی ایک خطے یا کسی ایک قوم کے سیاسی رویے کے ساتھ زمانی مطابقت اگر ارادی ہے تو اتفاقی بھی ہے ورنہ فی الاصل ان کی سوچ پورے مشرق کے لیے ہے اور اُن کا یہی فکری آفاقی رویہ ان کی جد و جہد کو دوام اور اثبات کی سند عطا کرتا ہے ۔ وہ بر صغیر کے باشندے تھے لیکن بر صغیر میں بھی مسلمانوں کی محض سیاسی یا اقتصادی جد و جہد ان کے نزدیک بے کار تھی وہ اسے بھی حفاظتِ تہذیبِ اسلامی کے ساتھ مشروط سمجھتے تھے ۔ اسلام سے الگ رہ کر کوئی بھی جد و جہد ان کے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتی تھی ۔ اپنے ایک پیغام میں انہوں نے واضح طور پر کہا کہ جمہوریت ، قومیت ، اشتراکیت اور فسطائیت وغیرہ سب ملوکیت کے شاخسانے ہیں جنہوں نے روحِ انسانی کو یوں کچلا ہے کہ تاریخِ انسانیت کے تاریک ادوار بھی اس کی مثال پیش نہیں کرتے ۔ یہ سب تسلط کی بھوک کے مختلف اظہار ہیں اور یہ ساری مغربی جد و جہد ایک استعماری جبر ہے جس نے کمزور اقوام پر اپنی حکومت کا جوا ڈال کر انہیں ان کے مذہب ، اخلاق ، تہذیب و ثقافت روایات اور ادب سے محروم کر دیا ہے ۔ یہ استعمار ملوکیت کی جونک ہے جو برابر

۱۔ ہے گرمِ خرام موجِ دریا — دریا سوئے بحر جادہ پیما
بادل کو ہوا اڑا رہی ہے — شانوں پہ اٹھائے لا رہی ہے

لذت گیرِ وجود ہر شے — سرمستِ مے نمود ہر شے
کوئی نہیں غمگسارِ انساں ! — کیا تلخ ہے روزگارِ انساں !

(کلیات اقبال ، حصہ اردو ، بانگ درا ، ص ۱۲۷ - ۱۲۶)

مشرق کا خون چوس رہی ہے ۔[۱]

قیام یورپ کا زمانہ اقبال کی چشمِ بصیرت پوری طرح وا ہونے کا زمانہ قرار دیا جا سکتا ہے جب انہوں نے مشرق اور مغرب کا تہذیبی موازنہ کیا اور اسلام کا رخِ کردار ان کے سامنے ایک معین شکل اختیار کر گیا ۔ یہ درست ہے کہ اقبال کا براہِ راست خطاب ملت اسلامیہ ہی سے رہا مگر انہوں نے معذرتی لہجہ کبھی اختیار نہیں کیا بلکہ اسلام کو عالمی تحریک اور انسانی حوالے سے پیش کرنے کی سعی کی اور گویا اسلام کو ایسے ڈھب سے پیش کرکے مغربی تہذیبی اور سیاسی استعمار کا مقابلہ کیا ۔ جس میں یہ پوری انسانیت کی واحد فلاح کی ضمانت بن جاتا ہے ۔[۲] جس کے

۱۔ یہ زائرانِ حریم مغرب ہزار رہبر بنیں ہمارے
ہمیں بھلا ان سے واسطہ کیا جو تجھ سے ناآشنا رہے ہیں !
غضب ہے یہ ''مرشدانِ خود بیں'' خدا تری قوم کو بچائے!
بگاڑ کر تیرے مسلموں کو یہ اپنی عزت بنا رہے ہیں
(کلیات اقبال ، حصہ اردو ، بانگ درا ، ص ۱۶۲)

۲۔ ''اگر عالمِ انسانیت کا مقصد اقوامِ متحدہ کا امن سلامتی اور ان کی موجودہ ہیئتوں کو بدل کر ایک واحد اجتماعی نظام قرار دیا جائے تو سوائے نظامِ اسلامی کے کوئی دوسرا نظام ذہن میں نہیں آ سکتا کیونکہ قرآن سے میری سمجھ میں جو کچھ آیا ہے اس کی رو سے اسلام محض انسان کی اخلاقی اصلاح ہی کا داعی نہیں بلکہ عالمِ بشریت کی اجتماعی زندگی میں ایک تدریجی مگر اساسی انقلاب بھی چاہتا ہے جو اس کے قومی اور نسلی نقطۂ نظر کو یکسر بدل کر اس میں خالص انسانی ضمیر کی تخلیق کرے ۔''

خط بجواب حسین احمد مدنی ، روز نامہ احسان ، مارچ ۱۹۲۸ع

''مجھے اس جماعت سے دلی ہمدردی ہے جو میرے اوضاع و اطوار اور میری زندگی کا سرچشمہ ہے اور جس نے اپنے دین اور اپنے ادب اپنی حکمت اور اپنے تمدن سے بہرہ مند کرکے مجھے وہ کچھ عطا کیا ہے جس سے میری موجودہ زندگی کی تشکیل ہوئی ۔ یہ اس کی برکت ہے کہ میرے ماضی نے از سر نو زندہ ہو کر مجھ میں یہ احساس پیدا کر دیا ہے کہ وہ اب بھی میری ذات میں سرگرمِ کار ہے ۔'' ایضاً

نتیجے میں تعصب اور تنگ دائروں سے ابھرنے والے تضادات حق اور احترام کے نصب العین کے تابع ہو کر زائل ہو جاتے ہیں اور عالمگیر وفاداری سے مملو معاشرے کی تشکیل ممکن ہو جاتی ہے ۔ یہ نتیجہ اقبال کے فکری نظام میں ایک عقیدہ بلکہ ایک مسلمہ حقیقت کا درجہ رکھتا ہے ۔[1] برِ صغیر، بلکہ پورے مشرق کی زوال آمادگی جو اقبال کے سامنے مغربی تہذیبی اور سیاسی استعمار کو اقوام مشرق کے لیے مصائب کا سرچشمہ قرار دیا جس نے روح مشرق کو کچل کر رکھ دیا تھا ۔ یہی نہیں بلکہ اسے اظہارِ نفس کی اس مسرت سے بھی محروم کر دیا تھا جس کی بدولت کبھی اس میں ایک شاندار تہذیب پیدا ہوئی تھی ۔[2] قیام یورپ نے مغرب کے جدید تمدن کا طلسم ان کی نظروں میں تار عنکبوت بنا کر رکھ دیا تھا ۔ وہ اس تنگ نظری اور تعصب سے اور خود غرضانہ رویے سے واقف ہوئے جسے مغربی استعمار نے تہذیب اور سیاست کے عنوان سے اپنے دامن میں چھپا رکھا تھا ۔ پہلی جنگِ عظیم کے مابعد کی بربادی پورے مغرب کے لیے طعنہ بن جاتی ہے جس میں تہذیب اور سیاست کے نام پر وطنیت ، نسلیت اور نام نہاد مساوات اور بے روح صداقت کے پرخچے اڑ گئے ۔ اس جنگ کی مابعدیات اپنے ساتھ سرمایہ داری اور استبداد لے کر آئیں اور یہ سارا کچھ پوری انسانیت کے لیے مغرب کے ہولناک تحائف تھے ۔

مغربی تہذیبی استعمار کی یلغار میں اقوام مشرق نے جو رعنائی دیکھی اقبال نے اس رعنائی کے باطن میں منافقت ، خود فروشی ، استبداد اور قیصریت کو دریافت کیا اور نفسانیت اور انانیت محض کو محسوس کیا مگر ان کی فکر میں یہ بات محض احساس کی حد تک ہی نہ رہی بلکہ اپنے فکری استحکام کے بل پر اقبال نے اس استعمار کے خلاف ایک باقاعدہ جہاد کا آغاز

۱۔ خطبۂ صدارت ، مسلم لیگ الہ آباد ۱۹۳۰ء ۔

۲۔ "ایک سبق جو میں نے اونچے اسلام سے سیکھا ہے ۔ یہ ہے کہ آڑے وقتوں میں اسلام ہی نے مسلمانوں کی زندگی کو قائم رکھا ۔ مسلمانوں نے اسلام کی حفاظت نہیں کی ۔ اگر آج آپ اپنی نگاہیں پھر اسلام پر جما دیں اور اس کے زندگی بخش تخیل سے متاثر ہوں تو آپ کی منتشر اور پراگندہ قوتیں از سرِ نو مجتمع ہو جائیں گی اور آپ کا وجود ہلاکت و بربادی سے محفوظ ہو جائے گا ۔"

گیا ۔[1] یورپ میں اقبال وطنیت کے جذبے سے سرشار گئے تھے یہ وطنیت اس شجرِ استعمار کی ایک شاخ تھی جسے فرنگی مقامروں نے مشرق کی سر زمین میں کاشت کیا تھا لیکن جب اقبال کو پورے مغرب میں مادہ پرستی، دہریت اور زر پرستی نظر آئی تو استعماری وطنیت کا مفہوم ان پر کھل گیا اور وہ خوب سمجھ گئے کہ مغرب میں وطنیت سے مراد بین المللی تنازعات کے سوا اور کچھ بھی نہیں ۔ پھر تہذیب نوی کے تراشیدہ اس بت سے انہیں نفرت ہو گئی ۔ انہوں نے مسلمان کی تعریف صرف مصطفوی ہونا اور اس کا دیس فقط اسلام کو قرار دیا اور مسلمانوں کے لیے یہ تجویز کیا کہ وہ جس قدر جلد ہو سکے اس بت کو خاک میں ملا دیں اگر یہ قائم رہتا ہے

۱۔ ربط و ضبطِ ملتِ بیضا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر !
جو کرے گا امتیازِ رنگ و خوں مٹ جائے گا
ترکِ خرگاہی ہو یا اعرابی والا گہر !
نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
اُڑ گیا دنیا سے تو مانندِ خاکِ رہ گزر !

(کلیات اقبال ، حصہ اردو ۔ بانگ درا ، ص ۲۶۵)

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامنِ دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی !

(کلیات اقبال ، حصہ اردو ، بانگ درا ، ص ۲۴۸)

تو قومیتِ اسلام کی جڑ کٹتی ہے۔[1] وطنیت جہاں جہاں بھی مشرق میں مغربی استعمارانہ حکمتِ عملی کے تحت آئی اس نے اقوام مشرق کو شدید نقصان پہنچایا جو آگے چل کر اقتصادی انحطاط کا باعث بھی بنا۔ خود مغرب میں بھی اس کے نتائج کچھ مختلف نہ تھے۔ وطنیت کے مکروہ روپ نے ہی اقبال کو مغربی استعمار کے ایک اور حربے، سرمایہ داری سے بھی متنفر کر دیا جو اسلام کی روح کے بھی خلاف تھا اگرچہ سرمایہ داری کے خلاف یہ رجحان خود مغرب کے ایک حصے میں پیدا ہوا لیکن وہ اس قدر شدید تھا کہ حدِ اعتدال سے آگے نکل گیا اور اشتراکیت میں ڈھل گیا۔ اقبال کے ہاں اشتراکیت کے اس پہلو کے لیے بہر حال ایک نرم گوشہ موجود ہے۔[2] جس کا تعلق انسان دوستی یا فلاحِ انسانیت سے ہے اگرچہ اس کی مذہب بیزاری اور دہریت سے انہوں نے کبھی کوئی واسطہ نہ رکھا اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام زندگی کے ہر عہد میں اقبال کی متاعِ عزیز رہا ہے چنانچہ اشتراکیت کے لیے بھی جو ہر چند اپنی بعض صورتوں میں مغربی استعمار ہی کی ایک شکل ہے اقبال نے صرف اس حد تک استحسانی رویہ روا رکھا جس کا تعلق فلاحِ انسانی سے تھا۔ سود جس پر سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد ہے اس کی نفی کرتے ہوئے اقبال نے اسلام اور

۱۔ اقوامِ جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے
تسخیر ہے مقصودِ تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے
کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
اقوام میں مخلوقِ خدا بٹتی ہے اس سے
قومیتِ اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے
(کلیات اقبال، حصہ اردو، بانگ درا، ص ۱۶۲-۱۶۱)

۲۔ قوموں کی روش سے مجھے ہوتا ہے یہ معلوم
بے سود نہیں روس کی یہ گرمیٔ گفتار!
(کلیات اقبال، حصہ اردو، ضرب کلیم، ص ۱۳۶/۵۹۸)

اشتراکیت کے تعلق کو واضح کر دیا ہے ۔[۱] مزدور کا جو حشر زر دار کے ہاتھوں ہو رہا تھا وہ مغربی استعماری ذہنیت کا ایک مکروہ اظہار تھا جس کے خلاف اپنے عہد کے مشرقی شعراء میں سے صرف اقبال کو حرفِ حق کہنا نصیب ہوا ۔ اقبال کی نظم ''لینن خدا کے حضور میں'' ، اس کی بہترین مثال ہے ۔ یہ نظم مغربی مدنیت کے بھیانک چہرے سے پردہ اٹھانے کے مترادف ہے ۔ اقبال مغربی استعمار کا مقابلہ کرتے ہوئے ایک حد تک اشتراکیت کے ساتھ چلتے ہیں مگر وہ اعمال کے جائزے کے بعد انسانوں میں صحت عمل کی بنیاد امتیاز کے قائل بھی ہیں اور محض مساوات شکم کو معاشری ہیئت کے لیے امن کی بنیاد ہرگز نہیں مانتے ۔ مارکس جو اشتراکیت کا فکری منبع ہے ۔ اس کے احترام کے باوجود اقبال کو اس سے اختلاف بھی ہے اور وہ اس کی مساواتِ شکم کے تصور کو رد کرتے ہیں ۔ آگے چل کر وہ اشتراکی آمرانہ رویے کی بھی نفی کرتے ہیں جس میں زمامِ کار بے شک مزدور کے ہاتھ میں چلی جائے لیکن اُن کے نزدیک یہ بھی ایک طرح سے پرویزی حیلہ ہے ۔[۲]

۱۔ چیست قرآں ؟ خواجہ را پیغامِ مرگ
دست گیرِ بندۂ بے ساز و برگ
ہیچ خیر از مردک زر کش مجو
لن تنالوا البر حتّٰی تنفقوا

۲۔ از ربا آخر چہ می زآید فتن
کس نہ داند لذت قرضِ حسن
از ربا جاں تیرہ دل چوں خشت و سنگ
آدمی درندۂ بے دندان و چنگ !

(کلیات اقبال ، حصہ فارسی ، جاوید نامہ ، ص ۸۰/۶۶۸)

زمامِ کار اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو پھر کیا !
طریقِ کوہ کن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی !

(کلیات اقبال ، حصہ اردو ، بال جبریل ، ص ۴۰/۳۳۲)

جہاں تک مغربی استعماریت کی ایک شاخ فسطائیت کا تعلق ہے ''ضرب کلیم'' میں اقبال نے مسولینی کی زبان سے یورپ کے سیاسی مدبرین کو جو کچھ کہلوایا ہے وہ اس بات کی شہادت ہے کہ اقبال نے فسطائی وطنیت کو ہرگز کلمۂ خیر سے یاد نہیں کیا بلکہ ایک طنز کے پیرائے میں اسے بھی مغربی استعمار ہی کی ایک مکروہ شکل تسلیم کیا ہے۔ مسولینی کی زبان سے اقبال مغربی استعمار کو پردۂ تہذیب میں غارت گری اور آدم کشی قرار دیتے ہیں۔[1] مغربی استعمار اپنے ساتھ اقوام مشرق کے لیے سیاسی حوالے سے ایک اہم سوغات جمہوریت کے نام سے بھی لے کر آیا اور یہ ایک ایسا سیاسی فلسفہ ہے جو بظاہر خوبصورت بھی ہے لیکن جمہوریت کے حوالے سے اپنی زر داری کے بل پر سریر آرائے حکومت علی العموم سرمایہ دار یا زمیندار ہی منتخب ہوتے ہیں۔ حکومت بظاہر اکثریت کی نمائیندگی کرتی ہے لیکن فی الحقیقت ایک مختصر گروہ اکثریت پر حکومت کرتا ہے۔ اقبال نے جس استعماری طرزِ جمہوری سے گریز کا سبق دیا وہ در حقیقت یہی جمہوری، استبداد یا مغزِ دو صد خر کی حکمرانی ہے۔[2] اس سیاسی نظام

۱۔ میں پھٹکتا ہوں تو چھلنی کو بُرا لگتا ہے کیوں
ہیں سبھی تہذیب کے اوزار! تو چھلنی میں چھاج!
میرے سودائے ملوکیت کو ٹھکراتے ہو تم
تم نے کیا توڑے نہیں کمزور قوموں کے زجاج؟
یہ عجائب شعبدے کس کی ملوکیت کے ہیں
راجدھانی ہے، مگر باقی نہ راجہ ہے، نہ راج
آلِ سیزر چوبِ نے کی آبیاری میں رہے
اور تم دنیا کے بنجر بھی نہ چھوڑو بے خراج
تم نے لوٹے بے نوا صحرا نشینوں کے خیام
تم نے لوٹی کشتِ دہقاں! تم نے لوٹے تخت و تاج!
پردۂ تہذیب میں غارت گری، آدم کشی
کل روا رکھی تھی تم نے، میں روا رکھتا ہوں آج!
(کلیات اقبال، حصہ اردو، ضرب کلیم، ص ۶۱۲/۱۵۰)

۲۔ گریز از طرزِ جمہوری غلامِ پختہ کارے شو
کہ از مغزِ دو صد خر فکر انسانی نمی آید

میں بظاہر مجلس آئین ، اصلاح و رعایات و حقوق کی بات ہوتی ہے لیکن اقبال مغربی جمہوری نظام کو رائے قیصری شمار کرتے ہیں -[1] ان کا اپنا عقیدہ اس بات میں روسو کے قریب قریب ہے یعنی یہ کہ جمہوریت بے شک ایک اچھا سیاسی فلسفہ ثابت ہو سکتا ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اسے ایسی جگہ عمل میں لایا جائے جہاں عوام کا سیاسی شعور اپنے معراج پر ہو - اقبال معاشرے میں انسان کی قدر و قیمت اسے گن کو نہیں بلکہ اس کے عملی پایہ کو دیکھ اور پرکھ کر متعین کرتے ہیں اور مغربی جمہوریت کے مقابلے میں انسان کی رائے کا یہی معیار پیش کرتے ہیں جس چیز کو اقبال سلطنتِ جمہور کا نام دے کر اس کو مشرق میں دیکھنے کے خواہش مند ہیں اس کا مغربی سیاسی جمہوری فلسفے سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اس کی بنیاد سراسر تعلیمات اسلامی پر ہے -

اقبال کی زندگی میں ہی اقوام مغرب نے جمعیتِ اقوام کی داغ بیل ڈالی اور اسے اس طرح تشکیل دیا کہ اس میں بظاہر اقوامِ مشرق کو بھی جگہ دی گئی - جہاں تک اس بین الاقوامی ادارے کے مقاصد کا تعلق تھا یہ ظاہری طور پر واقعی دلکش و دل پذیر تھے - جنگ سے گریز ، امنِ عالم اور اتحاد کی ترقی - عدل کا قیام اور انصاف کا احترام ، تنازعات کی مخلصانہ ثالثی ، یہی دل فریب باتیں جمعیتِ اقوام کے مقاصد عالیہ تھے لیکن اس کے سامنے مغربی اقوام نے ایشیائی و افریقی اور بعض یورپی غریب

---

[1] - ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیوِ استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
مجلسِ آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
طب مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری !

اس سرابِ رنگ و بو کو گلستاں سمجھا ہے تو
آہ ! اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو

(کلیات اقبال ، حصہ اردو ، بانگ درا ، ص ۲۶۱-۲۶۲)

قوموں کے ساتھ قاہریت کے مظاہرے کئے اور اس جمعیت کے مقاصد کو کھلم کھلا پامال کیا ، لیکن مغربی استعماری ذہنیت رکھنے والی اقوام جو اس مجلس پر چھائی ہوئی تھیں ، انہوں نے اس کے ضمیر کو بیدار نہیں ہونے دیا ۔ ان قوموں نے تخفیفِ اسلحہ کی قرار دادیں بھی منظور کیں اور ساتھ ہی ساتھ اسلحہ کے انبار بھی لگا دیئے ۔ اقبال نے دیکھ لیا تھا کہ یہ جمعیت ایمان کی دولت سے محروم ہے اور اس کی اساس سراسر مادیت اور خود غرضی پر رکھی گئی ہے ۔ اس لئے کامیابی اس کے نصیب میں ہرگز نہیں ۔ اقبال نے مشرق کو اس کے حربوں سے متنبہ کرتے ہوئے اسے فتنہ گروں کی جماعت اور داشتہ پیرک افرنگ ، قرار دیا اور کہا کہ مغربی عظیم طاقتوں کا یہ اتحاد صرف کمزور قوموں کی تباہی اور اُن کی بندر بانٹ چاہتا ہے اور نام نہاد دردمندانِ جہاں کے باطن کی قلعی کھول کر رکھ دی ۔[۱] پھر ساتھ ہی اس کا حل بھی تجویز کر دیا اور مغرب کے استعماری رویوں کی کوتاہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مسلم اقوامِ مشرق کی ایک الگ جمعیتِ اقوام کا ذکر کیا جس کے لیے وہ بطور مرکز طہران کا نام تجویز کرتے ہیں ۔ آج سے لگ بھگ پچاس سال قبل پیش کی گئی اقبال کی یہ تجویز کس قدر معنی خیز ثابت ہو رہی ہے ۔[۲]

۱۔ برفتد تا روش رزم دریں بزمِ کہن
دردمندانِ جہاں طرحِ نو انداختہ اند
من ازیں بیش ندانم کہ کفن دزدے چند
بہرِ تقسیمِ قبور انجمنے ساختہ اند
(کلیات اقبال ، حصہ فارسی ، پیام مشرق ، ص ۱۹۳/۲۶۳)

۲۔ بے چاری کئی روز سے دم توڑ رہی ہے
ڈر ہے خبرِ بد نہ مرے منہ سے نکل جائے
تقدیر تو مبرم نظر آتی ہے ولیکن
پیرانِ کلیسا کی دعا یہ ہے کہ ٹل جائے
ممکن ہے کہ یہ داشتۂ پیرکِ افرنگ
ابلیس کے تعویز سے کچھ روز سنبھل جائے!
(کلیات اقبال ، حصہ اردو ، ضرب کلیم ، ص ۱۵۶/۶۱۸)

واقعہ یہ ہے کہ مشرق اور اقوام مشرق پر مغربی استعماری سیاسی معاشی اور تہذیبی اثرات کا غلبہ ایک طرح کے استحصال کا واضح رنگ اپنے اندر رکھتا ہے ۔ تاریخ کے جس عہد میں مشرق کو اس مکروہ استحصال کا سامنا ہوا اقوام مشرق ذہن اور رویے کے ایک عجیب تضاد کا شکار ہو گئیں ۔ مغربی استعمار کی یلغار نے اقوام مشرق کے اندر معاشرتی سطح پر ایک تہذیبی تصادم کی صورت بھی پیدا کر دی ۔ اب یہ اپنے ماضی سے پوری طرح منقطع ہونے کی ہمت نہ رکھتی تھیں کیونکہ ان کا ماضی واقعی اس قدر شاندار اور قوی تھا کہ آسانی کے ساتھ اس کا گلا گھوٹنا ممکن ہی نہ تھا اور استعمار کے تہذیبی اور سیاسی حربے بھی اس قدر دل کش اور دل فریب تھے کہ ان سے بھی مفر ممکن نہ تھا ۔ ملتِ اسلامیہ کا یہ ایک عجیب و غریب اور خطرناک موڑ تھا ۔ حیرت یہ ہے کہ اس موڑ پر ملت کی رہنمائی کرنے والا کوئی بھی دانش ور عزم اور عقیدے کے ساتھ آگے بڑھتا دکھائی نہیں دیتا ۔ چند ایک نام گنے بھی جا سکتے ہیں لیکن ان کا تجزیہ یا تو سرے سے درست نہ تھا یا ادھورا تھا ۔ ان میں سے بعض تو توجیہ اور تاویل کے شکار تھے اور بعض معذرتی ہو کر رہ گئے چند ایک کو مصلحت اور ذہنی مرعوبیت کا مرض چاٹ گیا ۔ اس سارے پس منظر میں فقط اقبال ہی ایک ایسے مسلم دانش ور اور فلسفی شاعر نظر آتے ہیں جو مغربی استعماری حربوں کی تہہ میں اُتر کر اُن کا مناسب تجزیہ بھی کرتے ہیں اور پھر اس سلسلے کی دانش ورانہ ذمہ داریاں بھی نہ صرف قبول کرتے ہیں بلکہ انہیں تہذیبی اور سیاسی ہر محاذ پر بجا لاتے بھی دکھائی دیتے ہیں ۔ اقبال نے اپنا فرض صرف قیام یورپ کے دوران ہی نہیں نبھایا بلکہ عمر کے آخری ایام تک انہوں نے مغربی فکر و فلسفہ اور سیاسی رویے کا بنظر غائر

پانی بھی مسخر ہے ، ہوا بھی ہے مسخر
کیا ہو جو نگاہِ فلکِ پیر بدل جائے !
دیکھا ہے ملوکیت افرنگ نے جو خواب
ممکن ہے کہ اس خواب کی تعبیر بدل جائے !
طہران ہو گر عالمِ مشرق کا جنیوا
شاید کرۂ ارض کی تقدیر بدل جائے !

(کلیات اقبال ، حصہ اردو ، ضرب کلیم ، ص ۶۰۹/۱۴۷)

مطالعہ بھی جاری رکھا ۔ یہ فیصلہ انہوں نے قیامِ یورپ کے دوران ہی کر لیا تھا کہ قصرِ ملت بیضاء کے دریچے دو طرفہ کھولے جائیں تا کہ افکارِ تازہ کی صحت مند ہوا سے اقوام مشرق کی فضا محروم نہ رہ جائے اور صدیوں کے علمی رویے کا بند پانی بو بھی نہ دینے لگے اور یہ کہ اگر ایسا نہ ہوا تو مغربی تہذیبی اور سیاسی استعمار کا مقابلہ اقوام مشرق کے بس کی بات نہ رہے گی ۔[۱] اقبال اس صدی کے وہ واحد مسلمان مفکر ہیں جنہوں نے اسلام کو ایک مربوط فکر کے لباس میں اس دعوے کے ساتھ پیش کیا کہ یہ خود زمانۂ حاضر کے خیالات ، میلانات اور رجحانات کے لیے معیار تنقید ہے ۔[۲] ان کی صائب رائے یہ تھی کہ اگر مسلمان دانش ور اسلامی فکر میں کوئی قابلِ قدر اضافہ نہیں کر سکتے تو کھوکھلی تجدد پسندی پر صحت مند تنقید تو کی جائے تا کہ استعماری تجدد پسندی کے سیلاب کے آگے بند باندھا جا سکے ۔[۳]

اقبال نے اصولی طور پر مغربی استعمار کی مخالفت کو اپنا عقیدہ یا لائحۂ عمل فقط اس لیے بنایا کہ وہ جان گئے تھے کہ مغرب مشرق کے لیے خدائی کرنے کا دعویدار بن چکا ہے جبکہ خود مغرب نے اپنے لیے اقتدار اور زر اندوزی کے بتوں کو بطور خدا کے تجویز کر لیا ہے ۔ ان حالات میں مغربی دین و دانش کے پس منظر میں ہوس کی حیلہ گری کے سوا کچھ بھی نہیں ۔ ہر چند کہ اشتراکیت نے مغرب کی مکروہیت کو بے نقاب کیا تھا اور یہ مشرق کی سہل پسندی کا ایک توڑ بھی تھی اور اس سے زر پرستانہ مادیت کے تار و پود بکھرنے کے امکانات پیدا ہوئے تھے

۱- پردۂ ناموسِ فکرم چاک کن
ایں خیاباں راز خارم پاک کن
(کلیات اقبال ، حصہ فارسی ، اسرار و رموز ، ص ۱۶۸/۱۶۸)

۲- ''اقبال سوشلزم اور اسلام'' ، پروفیسر کرار حسین ، نقوش شمارہ ۱۲۷ ، دسمبر ۱۹۷۷ء ، ص ۱۲۳ ۔

۳- ''اور اگر ہم اسلامی فکر میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتے تو کم از کم صحت مند تنقید سے عالمِ اسلام میں امنڈتے ہوئے تجدد پسندی کے سیلاب کو ضرور روک سکتے ہیں ۔''
تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ ، ص ۱۵۲

اقبال نے اسی وجہ سے مشرق و مغرب دونوں کے لیے اسے روز حساب کا درجہ دیا تھا۔ یہ مغربی کلیسا کی مضبوط دیوار میں ایک زبردست دراڑ تھی اس سے قیصرانہ ملوکیت کی ہوس رانی کے دن مختصر ہوتے نظر آتے تھے اقبال کا کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے اپنے ضمیر کی تربیت کے بعد مغربی چیلنج، غلبہ اور تسلط کے خلاف اقوامِ مشرق کے ضمیر کی تربیت کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ اسلام کا بیج ان کے شعور کی گہری سطح سے پھوٹتا ہے اور تناور درخت بنتا ہے چنانچہ یہ اقبال تھے جنہوں نے صدیوں کے فاصلے سے نئے ڈھب کے ساتھ مسلمان اقوام کے ساتھ تعلق اور ماحول کے خلاف رد عمل کو اُن کی تاریخ کی اساس اور روح قرار دیا۔

اقبال مغربی استعمار کے اس لیے بھی خلاف ہیں کہ اس کی مدنیت کا ضمیر دین کی روح سے خالی ہے اور مغربی اخوت کا دارومدار فقط نام و نسب پر رہ گیا ہے جسے اب عیسائی اخلاقیات بھی ختم کرنے سے معذور ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مغرب کا قبول اسلام بھی شاید اس کی مدنیت کے ضمیر کو پاک نہ کر سکے کیوں کہ مغرب اگر اسلام قبول بھی کر لے تو بھی وہ مشرق کے سیاہ روز مسلمان کو غلام ہی رکھے گا۔ کیونکہ وہ نسلی غرور کا شکار ہے اور اس نسلیت کو اقوامِ مشرق میں بھی پھیلا رہا ہے۔[1]

مغربی استعمار کے جملہ پہلوؤں کے حسن و قبح اقبال پر خوب خوب منکشف ہوئے۔ انہوں نے تہذیب، علم، حکمت اور سیاست کے مغربی معجزات کے غرور کو بھی ملاحظہ کیا مگر اس کی تہ میں انسان کی مردہ دلی اور بے ضمیری کو بھی دیکھا۔ مشرق کی خودی اور مغرب کا ضمیر دونوں ان کے نزدیک مردہ ہو چکے تھے۔ وہ مشرق اور مغرب

۱۔ ضمیر اس مدنیت کا دین سے ہے خالی
فرنگیوں میں اخوت کا ہے نسب پہ قیام
بلند تر نہیں انگریز کی نگاہوں میں
قبولِ دینِ مسیحی سے برہمن کا مقام
اگر قبول کرے دین مصطفٰی انگریز
سیاہ روز مسلماں رہے گا پھر بھی غلام
(کلیات اقبال، حصہ اردو، ضرب کلیم، ص ۶۲/۵۲۴)

ہر دور کی روش اور مزاج سے غیر مطمئن تھے - ان کے نزدیک مغرب کی استعماری چال بازیاں اور مشرق کے بے روح مراقبات اور توکل و قناعت انسان کی بربادی کے لیے یکساں حکم رکھتے تھے - چنانچہ انہوں نے بڑے سلیقے سے بیک وقت ان کی مدافعت اور ان کی اہمیت کے اظہار کا رویہ اپنایا اور جہاں ان کے تاریک پہلوؤں کی بے معنویت کو واضح کیا ، وہاں اُن کی معنویت کے دوسرے رخ کو نکھارنے کی ذمہ داری بھی اٹھائی - ایک دانش ور کے لیے حقیقتاً یہ ایک کٹھن مرحلہ تھا تاہم اقبال اس سے بخوبی عہدہ برآ ہوئے - تہذیب مغربی کی گہرائیوں میں اُترنے کے بعد جہاں وہ اس کے بے رحم ناقد تھے وہاں انہیں اس کے باطن میں اگر کچھ خوبیاں بھی نظر آئیں تو انہوں نے ان سے اعتناء نہیں برتا - یہ بات بہر طور لائق استحسان ہے کہ مغربی فکر کے گہرے باطن میں علم کی سچی لگن ، تسخیر فطرت اور جہالت کے خلاف جد و جہد کی جو قوت بخش قدریں موجود ہیں ، وہ بہر حال موجود ہیں -[1] مغربی قوموں میں سے خاص طور پر انگلستان کی قوتِ عمل کو انہوں نے شاندار لفظوں میں اس طرح سراہا بھی ہے کہ سچائی ، ہمت ، بلند نظری اور قوت کی اقدار کو خراج بھی دیا جائے اور اس کی تائید اور توصیف میں بخل سے کام نہ لیا جائے -[2] در اصل اقبال فرسودگی اور گریز کے

۱- "The most remarkable phenomenon of modern history, however, is the enormous rapidity when the World of Islam is spiritually moving towards the West. There is nothing wrong in the movement, for European culture, on its intellectual side, is only a further development of some of the most important phase of the culture of Islam. Our only fear is that the dazzling exterior of European culture may assert our movement, and we may fail to reach the truf inwarone of that culture."

Reconstruction of Religious Thought in Islam, p. 7.

۲- "حق یہ ہے کہ انگریز قوم کی نکتہ رسی کا احسان تمام دنیا کی قوموں پر ہے کہ اس قوم میں حسِ واقعات دیگر اقوامِ عالم کی نسبت زیادہ تیز اور ترقی یافتہ ہے - یہی وجہ ہے کہ کوئی فلسفیانہ نظام جو واقعاتِ متعارفہ کی تیز روشنی کا متحمل نہ ہو سکتا ہو - انگلستان کی

مخالف تھے اور فرد کی آزادی پر یقین رکھتے تھے اور معاشرے میں ہر سطح پر ندرت ، جدت اور انقلاب کے آرزو مند تھے ۔ سیاست کو اخلاق سے بے تعلق نہیں جانتے تھے ۔ جنگ عظیم کی حشر سامانیاں اُن کے سامنے تھیں جس انسان کی جغرافیائی پہچان کو اس کے لیے ایک آزاد بنا کر رکھ دیا تھا ۔ پیامِ مشرق کا دیباچہ ان کی اسی سوچ کی شہادت ہے ۔[1] اقبال کے ہاں دوسرے مسلمان مفکرین سے ایک الگ رنگ پایا جاتا ہے وہ اسلامی اتحاد ہی کو بجائے خود مغربی استعمار کے مقابلے میں ایک سیاسی وحدت خیال

سرزمین میں آج تک مقبول نہیں ہوا ۔ لہٰذا حکمائے انگلستان کی تحریریں ادبیاتِ عالم میں ایک خاص پایہ رکھتی ہیں اور اس قابل نہیں کہ مشرقی دل و دماغ ان سے مستفید ہو کر اپنی قدیم فلسفیانہ روایات پر نظرِ ثانی کریں ۔'' مقالاتِ اقبال مرتبہ سید عبدالواحد معینی لاہور ۱۹۶۳ء ص ۱۵۸ ۔

۱۔ ''یورپ کی جنگِ عظیم ایک قیامت تھی جس نے پرانی دنیا کے نظام کو تقریباً ہر پہلو سے فنا کر دیا ہے اور اب تہذیب و تمدن کی خاکستر سے فطرت زندگی کی گہرائیوں میں ایک نیا آدم اور اس کے رہنے کے لیے ایک نئی دنیا تعمیر کرنی ہے جس کا ایک دھندلا سا خاکہ حکیم آئن سٹائن اور برگساں کی تصانیف میں ملتا ہے ۔ خالص ادبی اعتبار سے دیکھیں تو جنگِ عظیم کی کوفت کے بعد یورپ کے قوائے حیات کا اضمحلال ایک صحیح اور پختہ ادبی نصب العین کی نشو و نما کے لیے نا مساعد ہے ۔ بلکہ اندیشہ ہے کہ اقوام کے طبائع پر وہ فرسودہ ، سُست رگ اور زندگی کی دشواریوں سے گریز کرنے والی عجمیت غالب نہ آ جائے جو جذباتِ قلب کو افکارِ دماغ سے متمیّز نہیں کر سکتی ۔ البتہ امریکی مغربی تہذیب کے عناصر میں ایک صحیح عنصر معلوم ہوتا ہے اور اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ یہ قدیم روایات کی زنجیروں سے آزاد ہے اور اس کا اجتماعی وجدان نئے اثرات و افکار کو آسانی سے قبول کر سکتا ہے :

''اس وقت دنیا میں اور بالخصوص ممالکِ مشرق میں ہر ایسی کوشش جس کا مقصد افرادِ قوم کی نگاہ کو جغرافیائی حدود سے بالاتر کرکے ان میں ایک صحیح اور قوی انسانی سیرت کی تجدید یا تولید ہو ، قابلِ احترام ہے ۔'' ''کلیاتِ اقبال فارسی ۔ پیامِ مشرق'' ، ص ۱۸۳ ۔ ۱۸۲

کرتے تھے۔[۱] مشرق میں عالم اسلام کا انتشار اقبال کے نزدیک یورپ کی جن قباحتوں سے پیدا ہوا انہیں اقبال نے اپنے افکار میں نام گنوایا ہے مثلاً مغربی رویے کا دو رخا پن، یورپ کا جغرافیائی قومیت پر اصرار، اس کا سرمایہ دارانہ نظام معیشت جس نے انسانوں کی اکثریت کو محرومیوں کا شکار بنا دیا۔ بے محابا آزادیٔ نسواں جس سے یہ طبقہ رفتہ رفتہ جنس تجارت بن کر رہ گیا اور اس کے بد اثرات اقوام مشرق کے جسد میں ایک زہر بن کر سرائیت کر گئے۔ پھر تہذیب و ثقافت کا یکسر مادیتی رویہ۔ افکارِ مغربی کی انہی جہتوں کے فروغ سے اقبال پریشان تھے۔ چنانچہ انہوں نے تہذیب مغرب کا تنقیدی جائزہ لینے کا مشورہ دیا اور 'برے بھلے کی پہچان خود کرنا سکھایا۔ ایک طنز کے انداز میں انہوں نے مشرق کو بتایا کہ قوتِ مغرب کا راز چنگ و رباب، دختران بے حجاب، ساحران لالہ رو، عریانی ساق، قطع مو، فروغِ خط لاطینی یا لا دینیٔ افکار میں ہر گز نہیں بلکہ قوت افرنگ اس کے علم و فن میں ہے اور اگر ہو سکے تو مشرق اس علمی رویے کو اپنائے لیکن مشرق اس مغز کی بجائے ملبوس فرنگ پر ہی قناعت کر گیا ہے۔[۲] اس ذہنیت نے مسلمانوں میں اتحاد کی بجائے علیحدگی

۱۔ ''نئے اسکول کے مسلمانوں کو معلوم ہوگا کہ یورپ جس قومیت پر ناز کرتا ہے۔ وہ محض ہوّے اور 'سست تاروں کا بنا ہوا ایک ضعیف چیتھڑا ہے۔ قومیت کے اصولِ فقہ صرف اسلام نے ہی بتائے ہیں جن کی پختگی اور پائیداری مرورِ ایّام و اعصار سے متاثر نہیں ہو سکی۔''
''مکاتیبِ اقبال'' لاہور ۱۹۵۴ء، ص ۹

۲۔ شرق را از خود برد تقلیدِ غرب
باید ایں اقوام را تنقیدِ غرب
قوتِ مغرب نہ از چنگ و رباب
نے ز رقصِ دخترانِ بے حجاب

محکمی اورانہ از لا دینی است
نے فروغش از خطِ لاطینی است
قوتِ افرنگ از علم و فن است
از ہمیں آتش چراغش روشن است

پسندی کے رجحان کو فروغ دیا ہے ۔[۱] وطنیت اور قومیت جن پر مغربی استعمار کا مدار ہے ان کی نفی اقبال کے فکر کے اساسی محرکات میں سے ہے ۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کا وطن فقط اسلام ہے ۔ یہی ان کی تہذیبی اور سیاسی فکر کا بنیادی نکتہ ہے ۔[۲] اس باب میں انہیں برصغیر کے بعض دینی رہنماؤں کی مصلحت کیش روش سے گلہ بھی تھا ۔[۳] جو مغربی

علم و فن را اے جوانِ شوخ و شنگ
مغز می باید نہ ملبوس فرنگ !
(کلیات اقبال ، حصہ فارسی ، جاوید نامہ ، ص ۷۶۶/۱۷۸)

۱- حکمتِ مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز
(کلیات اقبال ، حصہ اردو ، بانگ درا ، ص ۲۶۴)

نسل ، قومیت ، کلیسا ، سلطنت ، تہذیب ، رنگ
''خواجگی'' نے خوب چن چن کر بنائے مسکرات
(کلیات اقبال ، حصہ اردو ، بانگ درا ، ص ۲۶۲)

۲- ''قومیت کا عقیدہ جس کی بنیاد نسل یا جغرافیائی حدود و ملک پر ہے ۔ دنیائے اسلام میں استیلا کر رہا ہے اور مسلمان عالمگیر اخوت کے نصب العین کو نظر انداز کرکے اس عقیدے کے فریب میں مبتلا ہو رہے ہیں جو قومیت کو ملک و وطن کی حدود میں مقید رکھنے کی تعلیم دیتا ہے ۔'' ''اقبال نامہ'' حصہ اول ، ص ۳۶۸

۳- ''میں نظریۂ وطنیت کی تردید اس زمانے سے کر رہا ہوں ۔ جبکہ دنیائے اسلام اور ہندوستان میں اس نظریے کا کچھ ایسا چرچا بھی نہ تھا ۔ مجھ کو یورپین مصنفوں کی تحریروں سے یہ بات پوری طرح معلوم ہو گئی تھی کہ یورپ کی ملوکانہ اغراض اس امر کی متقاضی ہیں کہ اسلام کی وحدتِ دینی کو پارہ پارہ کرنے کے لیے اس سے بہتر اور کوئی حربہ نہیں کہ اسلامی ممالک میں فرنگی نظریۂ وطنیت کی اشاعت کی جائے چنانچہ ان لوگوں کی یہ تدبیر جنگِ عظیم میں کامیاب بھی ہو گئی اور اس کی انتہا یہ ہے کہ ہندوستان میں اب مسلمانوں کے بعض دینی پیشوا بھی اس کے حامی نظر آتے ہیں ۔'' ''حرفِ اقبال ، ص ۲۲۶ ۔

استعمار کی ملوکانہ اغراض میں اس کے معاون بن رہے تھے ۔

عالم اسلام میں خلافت کا اپنے انجام کو پہنچنا بے شک ایک تاریخی المیہ تھا ۔ اقبال بھی اس سے متاثر ہوئے اس لیے کہ در پردہ مغربی استعمار بھی اس کے عقب میں تھا ۔ تاہم اقبال کسی نمائشی خلیفہ کے وجود کو اتحاد اسلامی کی راہ میں رکاوٹ اور استعماری حربوں میں شریک جانتے تھے ۔ اس کا علاج انہوں نے یہ تجویز کیا کہ اسلامی جمہوریتوں کی ایک برادری تشکیل دی جائے ، وہ مغربی استعمار کی یلغار کے سامنے ایک عرب وفاق کے قیام کی اہمیت کے بھی قائل تھے ۔ دوسری طرف ایشیائی قوموں کو انہوں نے ایک جمعیت اقوام ترتیب دینے کا مشورہ بھی دیا ۔ در اصل اقبال عالم اسلام کی دولت مشترکہ کو مغربی استعمار کے خلاف بطور دفاع کے قائم ہوتے دیکھنے کے آرزو مند تھے ۔ انہیں دکھ تھا کہ ایرانی ہوں ترک یا عرب تمام اقوامِ مشرق محکومی کے باعث مغربی استعمار کی حیلہ گری کو محسوس کر لینے کی قوت سے محروم ہوتے جا رہے ہیں ۔[1] اقبال نے ترکوں کے انقلاب کے بعد محسوس کیا کہ مغرب کی معاشری تقلیدِ محض سے کسی قوم کی عملیت کے قویٰ نئی زندگی حاصل کرنے سے قاصر رہ جاتے ہیں اور یہ رویہ بھی محض ماضی پرستی کے رویے سے اپنے نتائج کے اعتبار سے کچھ مختلف نہیں ۔ مغربی استعمار کے خلاف اتا ترک اور رضا شاہ نے پہلے پہل جو کچھ کیا اقبال اس سے بے شک متاثر تھے لیکن انہیں بھی مغربی تہذیبی طوفان میں بہتے ہوئے پایا تو مایوس بھی ہوئے ۔[2] وہ عربوں کی غلط اندیشی سے بھی پریشان

۱۔ نظر آتے نہیں بے پردہ حقائق ان کو
آنکھ جن کی ہوئی محکومی و تقلید سے کور
زندہ کر سکتی ہے ایران و عرب کو کیوں کر
یہ فرنگی مدنیت کہ جو خود ہے لبِ گور!

(کلیات اقبال ، حصہ اردو ، ضرب کلیم ، ص ۵۳۲ - ۵۳۱/۷۰ - ۶۹)

۲۔ نہ مصطفیٰ نہ رضا شاہ میں نمود اس کی
کہ روحِ شرق بدن کی تلاش میں ہے ابھی!

(کلیات اقبال ، حصہ اردو ، ضرب کلیم ، ص ۶۰۴/۱۴۲)

تھے ۔[۱] مصر میں سیاسی بیداری کو دیکھا لیکن اس کے ہمراہ آنے والی عیش پسندی اور تقلید مغربی انہیں کھلتی تھی ۔

ایران میں ساسانی اقدار تہذیب کے احیاء کی تحریک جو نسل کی بنیاد پر چلائی گئی اقبال کی روح کا آزار تھی ۔ بر صغیر میں مسلمانوں کے تہذیبی زوال اور اقتصادی مسئلے پر وہ بار بار قائد اعظم کو خطوط لکھ کر ایک نئے وطن اور آزادی کی تحریک کو جاری رکھنے کی تاکید کر رہے تھے ۔ اور یہ ساری اقوام مغربی استعمار کی مئے مینا گداز میں مست تھیں اور اس کی یلغار کے آگے بے دست و پا تھیں ۔ مغربی عقل فسوں پیشہ ، نے مشرق میں مجرد وطنیت کو فروغ دیا ۔ اقبال نے اس پر بھی ماتم کیا اور اس کے پیراہن کو مذہب کا کفن قرار دیا ۔[۲]

مغربی تہذیبی اور سیاسی استعمار کا ایک اور خطرناک رخ بھی تھا جس کا تجزیہ کئے بغیر اقبال سے رہا نہ جا سکا ۔ انہیں اس کی زہر ناکی میں پنجۂ یہود بھی نظر آ گیا تھا جو سراسر مغربی سازش کے تحت ارض مقدس اور فلسطین میں اپنی جڑیں مضبوط کر رہے تھے ۔ مغربی استعمار کی دلی خواہش تھی کہ یہود کی حمایت کرتے ہوئے فلسطین میں عربوں کی قوت کو ختم کر دیا جائے ۔ غیر قانونی طور پر وہاں عربوں کی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کرکے وہاں پورے یورپ سے یہودی لا بسائے جائیں یہاں تک

۱- جلتا ہے مگر شام و فلسطین پہ مرا دل
تدبیر سے کھلتا نہیں یہ عقدۂ دشوار !
ترکانِ 'جفا پیشہ' کے پنجے سے نکل کر
بے چارے ہیں تہذیب کے پھندے میں گرفتار !
(کلیات اقبال ، حصہ اردو ، ضرب کلیم ، ص ۶۱۵/۱۵۳)

۲- اس دور میں مے اور ہے جام اور
ساقی نے بنا کی روشِ لطف و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے
(کلیات اقبال ، حصہ اردو ، بانگ درا ، ص ۱۶۰)

کہ ان کا ملک اسرائیل بن جائے۔ اقبال نے اسے استعماری حیلہ گری قرار دیا۔[۱] بلکہ اس مسئلہ پر ایک بھرپور بیان سارے عالم اسلام کے لئے جاری کیا۔[۲] آپ نے ارض مقدس میں اسرائیل کے قیام کی سازش کو مشرق کے دروازے پر ایک خطرناک مرکز کا قیام قرار دیا۔[۳] انہوں نے مصر کو بھی یہودی استعمار سے متنبہ کیا اور کہا کہ عالم عرب پر نا جائز تسلط جمانے کے لیے جس طرح یہود کو مغرب نے کھلی چھٹی دے دی ہے ایک روز یہ سود خور قوم اس قدر طاقت ور ہو جائے گی کہ خود مغربی استعمار اس کے اشارے پر رقص کرے گا۔[۴]

اقبال نے مغربی دانشوری کی تہہ میں موجود مادیت کا طوفان دیکھا تھا جن پر اس تہذیب کی اساس ہے۔ مغربی استعماری ذہنیت نے تہذیب کے محاذ پر یہی جراثیم اقوام مشرق میں پھیلائے اور خود فراموش عالم مشرق

۱- ہے خاکِ فلسطیں پہ یہودی کا اگر حق
ہسپانیہ پر حق نہیں کیوں اہلِ عرب کا؟
مقصد ہے ملوکیتِ انگلیس کا کچھ اور
قصہ نہیں تاریخ کا یا شہد و رطب کا!
(کلیات اقبال، حصہ اردو، ضرب کلیم، ۶۱۹ - ۶۱۸/۱۵۷ - ۱۵۶)

۲- "فلسطین میں یہود کے لیے ایک قومی وطن کا قیام محض ایک حیلہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ برطانوی امپیریلزم مسلمانوں کے مقاماتِ مقدسہ میں مستقل انتداب اور سیادت کی شکل میں اپنے ایک مقام کی متلاشی ہے۔" "اقبال نامہ"، جلد اول، ص ۴۵۱

۳- "اقبال نامہ"، جلد دوم، ص ۲۷۔

۴- تاک میں بیٹھے ہیں مدت سے یہودی سود خوار
جن کی روباہی کے آگے ہیچ ہے زورِ پلنگ!
خود بخود گرنے کو ہے پکے ہوئے پھل کی طرح
دیکھیے پڑتا ہے آخر کس کی جھولی میں فرنگ!
(کلیات اقبال، حصہ اردو، بال جبریل، ص ۴۵۹/۱۶۷)

ہے نزع کی حالت میں یہ تہذیبِ جواں مرگ
شاید ہوں کلیسا کے یہودی متولی!
(کلیات اقبال، حصہ اردو، ضرب کلیم، ص ۶۰۲/۱۴۰)

ان سے متاثر ہوتا رہا ۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو اقبال نے مغربی تہذیبی اور سیاسی استعمار کی یلغار کا دو طرفہ دفاع کیا یعنی مشرق کو روحانی زوال آمادگی سے بچایا جائے اور سیاسی محاذ پر اسے تنبیہ کی جائے ۔ مغرب نے مشرق کو ذہنی غلام بنانے کے لیے اپنے مخصوص نظام تعلیم سے بھی فائدہ اٹھایا اور غلام مشرق کی نئی نسل کو گرفتار خرافات کر دیا جن میں موسیقی اور صورت گری کے علاوہ اور بھی بہت کچھ تھا ۔ اس نظام تعلیم نے مشرق کی خودی کو تعلیم کے تیزاب میں ڈال کر ملائم اور موم کرنے کے بعد اسے جس طرف چاہا پھیر لیا اور مغرب نے یوں غلام مشرق کو تیغ سے زیر کرنے کے ساتھ ہی ساتھ خرافات سے زیر کرنے کا حربہ بھی خوب خوب آزمایا ۔[1] یہاں پوری انسانیت کے لیے اقبال کی اخلاص مندی بھی سامنے آتی ہے کہ چونکہ مادیت اور بے راہ عقلیت اقوام مشرق کے علاوہ خود اقوام مغرب کے لیے بھی ہلاکت کا باعث بن سکتی ہیں ۔ اس لیے محض انسانی بنیاد پر انہوں نے مغرب کو بھی بعض فتنوں کی ہلاکت آفرینی سے متنبہ کیا ۔[2] اس مغربی عقلیت نے جو علم کے واسطہ سے مشرق میں در آئی تھی ، مسلمانوں میں محدود وطنیت کے تصور کو فروغ دیا تھا ۔ اقبال نے اس پر بہت احتیاط کے ساتھ نکلسن کے نام ایک خط میں توجہ دلائی کہ اجتماعی زندگی کے ارتقاء اور نشو و نما میں قبیلے اور قومی

۱۔ آزاد کا اندیشہ حقیقت سے منور
محکوم کا اندیشہ گرفتارِ خرافات
محکوم کے حق میں ہے یہی تربیت اچھی
موسیقی و صورت گری و علمِ نباتات
(کلیات اقبال ، حصہ اردو ، ضرب کلیم ، ص ۵۴۰/۷۸)

۲۔ اقبال کا خط بنام پروفیسر نکلسن اور یہ اشعار بھی :
از من اے بادِ صبا گوے بدانائے فرنگ
عقل تا بال کشود است گرفتار تر است
برق را این بہ جگرمی زند ، آن رام کند
عشق از عقلِ فسوں پیشہ جگر دار تر است
چشم جز رنگِ گل و لالہ نہ بیند ، ورنہ
آن چہ در پردۂ رنگ است پدیدار تر است

نظامات کا وجود ایک عارضی حیثیت رکھتا ہے اور جب اسی کو انتہائی منزل قرار دے دیا جائے تو یہ بد ترین لعنت بن جاتے ہیں ۔ اقبال نے جسمانی غلامی سے زیادہ ہمیشہ ذہنی غلامی کو خطرناک جانا ۔ تہذیب مغربی نے اقوام مشرق میں جو مصلحت آمیز رویہ اور معذرتی لب و لہجہ پیدا کر دیا تھا اس کی خطرناکی سے اقبال آگاہ تھے ۔ ان کے سامنے ایک طبقہ مسلمانوں کے درمیان ایسا بھی موجود تھا جو تہذیب ملت بیضاء کو تہذیب مغرب سے ہم آہنگ کرنا چاہتا تھا ۔ یہ رویہ دانستہ اور نادانستہ دونوں سطحوں پر پایا جاتا تھا ۔ اقبال نے اس کے خلاف دانش ورانہ جنگ لڑی ۔ ذہنی اور سیاسی انحطاط کے اس دور میں جب مسلمان اپنے ماضی سے ایک طرح سے لاتعلق ہوئے بیٹھے تھے اور اپنے تہذیبی فاتحین کی ہمرکابی پر فخر محسوس کرتے تھے ، اقبال نے اجتہادی اور تقلیدی دونوں رویوں پر نظرثانی کا مشورہ دیا ۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ مغربی تہذیب نے معاشرتی اقدار کے اظہار میں مبالغہ آرائی کی ، اگرچہ اپنے باطن میں یہ اقدار کھوکھلی ہو چکی تھیں ۔ یہ بات اسلامی کلچر کے خلاف ہے جس کی اساس اعتدال اور توازن پر ہے اور جو حیات دنیاوی اور حیات آخر دونوں پر محیط ہے اسی باعث اقبال نے مغربی تعلیمی مادیت کو تاریخ کی تخلیقی صلاحیت کا دشمن سمجھا ۔[1] مغرب کا ثقافتی رویہ اقبال کی شاعری کی زبان میں بے ذوق ہے اور دل بیدار ، عطاء کرنے سے محروم ہے ۔ اس میں خود اپنے افکار کا سفر کرنے کی جرأت نہیں ہے ساتھ ہی یہ بے حرم بھی ہے ۔ اس لیے اس کی بنیاد پر

عجب آں نیست کہ اعجاز مسیحا داری
عجب ایں است کہ بیمار تو بیمار تر است
دانش اندوختہ ، دل ز کف انداختہ
آہ زاں نقد گراں مایہ کہ در باختہ

(کلیات اقبال ، حصہ فارسی ، پیام مشرق ، ص ۱۸۸/۳۵۸)

۱۔ یورپ میں بہت روشنیٔ علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات !
یہ علم ، یہ حکمت ، یہ تدبر ، یہ حکومت !
پیتے ہیں لہو ، دیتے ہیں تعلیم مساوات !

خالص انسانی ضمیر کی تخلیق کے امکانات معدوم ہونے لگتے ہیں۔

عورت کی آزادی مغربی استعمار کا ایک اور شاخسانہ ہے۔ جس سے اقوام مشرق بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔ اس سے نژاد نو کی پاکیزہ امومت سے محرومی کا جو سلسلہ چلا، اس کے اثرات دور رس ہیں۔ جاوید نامہ میں اقبال نے اس محاذ پر بھی اپنا نقطۂ نظر خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ زندگی کی ہر سطح پر مرد و عورت کی مساوات کی نفی کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ خاندانی وحدت کے رشتے کو جو بنی نوع انسان کی روحانی زندگی کا جزو اعظم ہے یہ حریت توڑ دیتی ہے۔[۱] شعر کے پیرائے میں بھی انہوں نے تہذیب فرنگ کے اس حربے پر بھر پور تنقید کی ہے۔[۲] اور مغربی استعمار کے اس پہلو کو مرگ امومت سے تشبیہ دی ہے۔[۳] عورت مشرق میں ہمیشہ سرمایۂ ملت سمجھی گئی ہے کیونکہ جملہ تہذیبی اوصاف اسی کے وجود کے مرہون ہوتے ہیں۔ اقبال نے مشرقی عورت کو اسوۂ بتولؓ اپنانے کی تلقین کی۔ وہ عورت کو تمدن کی جڑ سمجھتے تھے جس سے تمام نیکیاں نمو کرتی ہیں۔ اسے زیور تعلیم سے مزین

بیکاری و عریانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کی فتوحات ؟
وہ قوم کہ فیضانِ سماوی سے ہو محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات !

(کلیات اقبال، حصہ اردو، بال جبریل، ص ۴۰۰ - ۱۰۸/۳۹۹ - ۱۰۷)

۱- ''ملتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر''، ص ۳۸۔

۲- گوئی پوچھے حکیمِ یورپ سے
ہند و یوناں ہیں جس کے حلقہ بگوش !
کیا یہی ہے معاشرے کا کمال ؟
مرد بیکار و زن تہی آغوش !

(کلیات اقبال، حصہ اردو، ضرب کلیم، ص ۵۵۵ - ۹۳/۵۵۴ - ۹۲)

۳- تہذیبِ فرنگی ہے اگر مرگِ امومت
ہے حضرتِ انساں کے لیے اس کا ثمر موت !
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت !

(کلیات اقبال، حصہ اردو، ضرب کلیم، ص ۹۶/۵۵۸)

کرنا سارے خاندان کو تعلیم دینا ہے۔ لیکن مغربی ڈھب کی تعلیم اس کے لیے سم قاتل ہے۔[۱] یہ مسئلہ عمر بھر ان کے پیش نظر رہا اور اس عقدۂ مشکل کی کشود ممکن نہ ہو سکی۔[۲]

اقبال مشرق کے ساتھ جس مغربی تہذیبی اور سیاسی استعمار کا مقابلہ کرتے ہیں اس کے بنیادی اجزاء عام طور پر مندرجہ بالا امور ہیں۔ شیشے کی یہ عمارت جو آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے۔ زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتی۔ مغرب کی نعمتیں ایسی بھی ہیں جو اقبال کے نزدیک اصلِ اسلام کا وہ اجر ہیں جنہیں مغرب نے 'چپکے چپکے' وصول کیا۔ بہرحال اگر انہوں نے مغرب کے استعمار کے خلاف جدوجہد کی ہے تو مشرق کے لیے گن بھی نہیں گائے بلکہ اس پر بھی انتقاد کیا ہے۔ ہاں مگر مغربی استعمار کی چیرہ دستیوں کو انہوں نے کھل کر نمایاں کیا ہے اور مشرق کو اس کی سست روی پر جنجھوڑا ہے۔ مشرق کی جو صورت حال تھی اور جو لوگ اس کے ذمہ دار تھے۔ اقبال نے سب کو اپنی تنقید کا ہدف بنایا کہ احیائے ملت کے لیے یہ از بس ضروری تھا۔[۳] اس کے باوجود انہیں مشرق کی پختہ اقدار پر یقین تھا اور ان کی بحالی پر ان کا ایمان تھا۔ وہ مانتے تھے کہ اپنی ساری فسوں گری کے باوصف 'فرنگ رہگزر یہ سیلِ بے پناہ میں ہے'۔ اقبال کی فکری دیانت داری یہ ہے کہ مغربی استعمار کو انہوں نے صرف

۱۔ "لیکن اس ضمن میں ایک غور طلب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا مشرقی عورتوں کو مغربی طریق کے مطابق تعلیم دی جائے یا کوئی ایسی تدبیر اختیار کی جائے جس سے ان کے شریفانہ اطوار مشرقی دل و دماغ کے ساتھ خاص میں قائم رہیں۔ میں نے اس سوال پر غور و فکر کیا ہے مگر چونکہ اب تک کسی قابل عمل نتیجے پر نہیں پہنچا اس لیے فی الحال اس بارے میں کوئی رائے نہیں دے سکتا۔" مضامینِ اقبال، ص ۴۲

۲۔ میں بھی مظلومیٔ نسواں سے ہوں غمناک بہت
نہیں ممکن مگر اس عقدۂ مشکل کی کشود!
(کلیات اقبال، حصہ اردو، ضرب کلیم، ص ۹۷/۵۵۹)

۳۔ بگزر از خاور و افسونیٔ افرنگ مشو
کہ نیرزد بہ جوئے ایں ہمہ دیرینہ و نو
(کلیات اقبال، حصہ فارسی، زبور عجم، ص ۱۳۰/۵۲۲)

اپنے وطن برصغیر کے حوالے سے نہیں دیکھا بلکہ اس کے مضمرات اور خطرات کو پورے عالم اسلام اور اقوام مشرق یہاں تک کہ خود مغرب کے لیے بھی محسوس کیا اور اپنے تجزیے، پیغام اور اپنے افکار کو شاعری نثر، خطبات، فارسی، اردو اور انگریزی پر حوالے اور وسیلے سے پیش کیا۔

ہر چند کہ اقوام مشرق کی جنگ مغربی استعمار کے تہذیبی اور سیاسی محاذ پر ابھی جاری ہے مگر مشرق نے جو تہذیبی اور سیاسی سنبھالا لیا ہے وہ بے شک بقول ڈاکٹر علی شریعتی اقبال ہی کے خواب کی تعبیر کا ایک حصہ ہے۔ غلام مشرق کی استعماری زنجیریں کٹ چکی ہیں مگر استعمار بھی ساتھ ہی ساتھ اپنے رنگ میں بدل بدل کر حملے کر رہا ہے۔ جبر کے خفیہ ہاتھوں نے دستانے پہن رکھے ہیں، مگر یہ خواب اپنی مکمل تعبیر کے ساتھ ایک روز سامنے آ کر رہے گا۔ یہ کہنا درست ہوگا کہ عصر حاضر میں اقبال کے افکار کی اہمیت دو چند ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ اس کے باطن میں روح عصر ہے۔ مغربی استعمار کے تہذیبی اور سیاسی محاذ پر اقبال کی تمام تر فکری جدوجہد اقوام مشرق اور ملت اسلامیہ کے پاس آج بھی ایک متحرک امانت ہے۔ اس لیے کہ ایک عقیدے کے طور پر اقبال نے مشرق کے اتحاد پر ایمان رکھا۔[1] ان کا اپنا اعلان ہے:

''ہماری قوم ایک شاندار مستقبل رکھتی ہے اور جو مشن اسلام کا اور ہماری قوم کا ہے، وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔''[2]

بہت دیکھے ہیں میں نے مشرق و مغرب کے مےخانے
یہاں ساقی نہیں پیدا، وہاں بے ذوق ہے صہبا!
(کلیات اقبال، حصہ اردو، بال جبریل، ص ۳۱۵/۲۳)

۱۔ ''اسلام ایک عالمگیر سلطنت کا یقیناً منتظر ہے جو نسلی امتیازات سے بالا تر ہوگی۔ اور جس میں شخصی اور مطلق العنانی بادشاہوں اور سرمایہ داروں کی گنجائش نہ ہوگی۔ دنیا کا تجربہ خود ایسی سلطنت پیدا کر دے گا۔ غیر مسلموں کی نگاہوں میں شاید یہ محض خواب ہو، لیکن مسلمانوں کا یہ ایمان ہے۔'' گفتار اقبال

''میرا مذہبی عقیدہ یہی ہے کہ اتحاد ہوگا اور دنیا پھر ایک دفعہ جلال اسلامی کا نظارہ دیکھے گی۔'' اقبال نامہ، حصہ دوم، ص ۱۶۳

۲۔ ''مقالات اقبال''، ص ۱۴۳۔